مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

میرے سکول کے زمانے کی بات ہے، ایک روز گرمیوں کے موسم میں میرے والد ماجد سے ایک صاحب ملنے کے لئے آئے۔ یہ موٹر سائیکل پر آئے تھے۔ سر پر سولہ ہیٹ تھا۔ موٹر سائیکل کھڑی کرکے اُنہوں نے اپنا سولہ ہیٹ اس کی سیٹ پر رکھ دیا، اتنے میں والد آئے تو ''مولانا مولانا'' کہتے ہوئے ان سے ملے۔ ''مولانا'' کے لفظ سے میں چونکا۔ بات یہ تھی کہ براؤن رنگ کی خوبصورت داڑھی والے اور سولہ ہیٹ پہنے ہوئے گورے رنگ کے اس آدمی کو میں غلطی سے ''پادری صاحب'' سمجھ بیٹھا تھا لیکن جلد ہی معلوم ہوگیا کہ یہ تو حضرت مولانا سید محمد جعفر شاہ ندوی پھلواروی ہیں یعنی حضرت قاری شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید اور جانشین۔

پھلواروی شریف کے نام سے میں خوب واقف تھا۔ سلسلہ نظامیہ سراجیہ میں حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت و اجازت حضرت شاہ بدرالدین پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھی۔ ہمارے شجرہ طریقت میں خواجہ سے پہلے انہی کا نام آتا ہے۔ مولانا

جعفر شاہ پھلواروی حضرت شاہ بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت قریبی عزیزوں میں سے تھے اب والد کا ''مولانا مولانا'' کہتے ہوئے انہیں اس قدر محبت وعقیدت کے ساتھ ملنا میری سمجھ میں آگیا۔

مولانا جعفر شاہ کے والد حضرت قاری شاہ سلیمان پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ (1869ء تا 1935ء) سے کون واقف نہ ہوگا وہ برصغیر کے ممتاز عالم دین، شعلہ بیان خطیب اور اہل دل صوفی بزرگ تھے۔ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے بانیوں میں شامل تھے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی شخصیت سے اس قدر متاثر تھے کہ تصوف کے مسائل کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش آئی تو انہی کی طرف رجوع کرتے۔ ایک خط کے آغاز میں انہیں لکھتے ہیں:

> ''آپ کو اللہ تعالیٰ نے کمال روحانی کے ساتھ علم وفضل سے بھی آراستہ کیا ہے۔''

اسی طویل خط کے آخر میں تحریر کرتے ہیں:

> ''آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل ہیں۔ میں نے خود ان کو پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لئے دیا ہے۔ یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدت الوجود سے تعلق رکھتے ہیں، جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے مجھے اختلاف نہ رہے۔'' (انوار اقبال ص 180-182)

اللہ تعالیٰ نے قاری شاہ سلیمان صاحب کو خوش الحانی کی نعمت سے بھی نوازا تھا، مشہور تھا کہ پرندے ان کی آواز سن کر جمع ہو جاتے ہیں۔ مثنوی شریف پڑھنے میں برصغیر میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔ بڑے حاضر جواب تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی ''یادِ رفتگاں'' میں لکھتے ہیں کہ 1915ء میں ندوہ کے ایک جلسہ میں چار سلیمان جمع تھے۔ (۱) قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۲) مولانا سید سلیمان اشرف (۳) مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اور (۴) راقم

(یعنی سید سلیمان ندوی) اس موقع پر مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے برجستہ فرمایا'' آج کل کئی کئی سلیمان پیدا ہوگئے ہیں لیکن ان میں سلیمان بن داؤد صرف میں ہوں۔'' (واضح رہے کہ حضرت سلیمان کے والد کا نام حضرت داؤد تھا)

قاری صاحب کے والد ماجد کا نام بھی داؤد تھا اس لئے ان کی مہر میں ''وورث سلیمان داؤدی'' کندہ تھا۔ وہ تقریر کے دوران دل آویز نکات سے بڑا لطف پیدا کردیتے تھے۔ ایک دفعہ رنگون میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بعض مولویوں نے کانفرنس والوں پر کفر کا فتویٰ لگادیا، اتفاق سے اجلاس کی صدارت محسن الملک نواب مہدی علی خاں کررہے تھے۔ قاری صاحب کی تقریر کے دوران جب مولویوں نے ہنگامہ بپا کیا اور شور مچایا کہ کانفرنس کے سب شرکاء کافر ہیں تو مولانا نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ نواب محسن الملک کا تو نام ہی مہدی ہے۔ ان کو تو کوئی دجال ہی غیر مسلم کہے گا اور مجھ پر کفر کا فتویٰ کیونکر لگ سکتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے ''وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا (یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ شیطانوں نے کفر کیا)

اس سے حاضرین جلسہ میں بڑا جوش پیدا ہوا اور کافر ساز مولوی جلسہ گاہ سے بھاگ کھڑے ہوئے، قاری صاحب کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی۔ وعظ کا سلسلہ انہوں نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اصرار پر شروع کیا تھا۔ قاری صاحب کی زندگی کے بارے میں میری یہ معلومات مولانا جعفر شاہ پھلواروی کے حوالے سے ہیں۔ مولانا جعفر شاہ سے میرا بہت ملنا جلنا رہا۔ جدید مسائل کی تعبیر میں بعض علما ان کی تحقیق سے اختلاف بھی کرتے ہیں لیکن اس مخالفت کی انہوں نے کبھی پروا نہیں کی۔ ہر مسئلہ پر خوب تحقیق کرتے تھے اور زبردستی کسی پر اپنی بات نہ ٹھونستے تھے۔

1960ء میں، میں نے ''حلقہ ادب'' کے نام سے ایک ادبی تنظیم قائم کی تو اس کے ہفتہ وار اجلاس شروع کیے۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی ان میں باقاعدگی کے ساتھ تشریف

لاتے۔ کہنے کو تو یہ نوجوانوں کی انجمن تھی لیکن جو بزرگ اس میں میری دعوت پر تشریف لاتے، ان میں مولانا جعفر شاہ پھلواروی کے علاوہ علامہ درد کاکوری، احسان دانش، مولانا محمد وارث کامل، حکیم عبدالکریم ثمر، علامہ لطیف انور، حکیم شیر محمد ناصر، حافظ نثار احمد انور، مولانا عبداللہ قریشی، ابوظفر سید نازش رضوی اور علامہ صوفی وارثی بھی تھے۔ سچ یہ ہے کہ حلقہ ادب کے ان اجلاسوں میں میری ادبی تربیت ہوئی۔ ان بزرگ مربیوں میں نمایاں نام مولانا پھلواروی کا ہے۔

مولانا جعفر شاہ (۱۹۰۲ء تا ۱۹۸۲ء) متحدہ ہندوستان کے ضلع پٹنہ کے مشہور شہر بہار میں پیدا ہوئے۔ پھلواروی شریف بہار کی ایک مضافاتی بستی ہے۔ مولانا نے وہیں قرآن حکیم ناظرہ اور ابتدائی دینی کتابیں پڑھیں پھر سکول میں داخل ہوئے اور میٹرک کرنے کے بعد ندوۃ العلما (لکھنؤ) میں چلے گئے۔ جہاں سے ۱۹۲۴ء میں سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد تقریباً دس سال انہوں نے مطالعہ اور خطابت میں گزارے۔ پھلواروی شریف کی بڑی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے موقع پر ان کی تقریر سننے کے لئے دور دور سے لوگ پہنچ جاتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں حضرت قاری شاہ سلیمان پھلواروی کی وفات کے بعد وہ خانقاہ سلیمانیہ پھلواروی شریف کے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔

مہاراجہ کپورتھلہ نے اپنی ریاست میں جب فاطمی طرز کے ایک نہایت عالی شان مسجد تعمیر کرائی تو اس مسجد کا افتتاح حضرت خواجہ حسن نظامی سے کرایا۔ اس موقعہ پر مہاراجہ نے خواجہ صاحب سے درخواست کی کہ اس مسجد کی خطابت کے لئے ہندوستان کے کسی بہت ہی قابل عالم کا انتخاب فرمائیں۔ خواجہ صاحبؒ نے بلا تامل مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی کو اس منصب کے لئے منتخب فرمایا چنانچہ وہ پھلواروی شریف سے کپورتھلہ آگئے اور تقسیمِ ہند تک وہیں رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا ہجرت کر کے لاہور آگئے۔ ابتداء میں ریڈیو پاکستان سے روزانہ درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کیا پھر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم انہیں اپنے ادارہ ثقافتِ

اسلامیہ میں لے گئے۔ جہاں رہ کر انہوں نے گلستانِ حدیث، مجمع البحرین، زیر دستوں کی آقائی، الفخری، اسلام اور فطرت، اجتہادی مسائل، پیغمبر انسانیت ﷺ، کمرشل انٹرلیسٹ اور اسلام اور موسیقی وغیرہ کتابیں لکھیں۔

1960ء میں جب میں کوثر نیازی کے ساتھ ان کے ہفت روزہ ''شہاب'' میں ''اعزازی اسسٹنٹ ایڈیٹر'' تھا تو ملتان سے میرے دوست میر حسان الحیدری نے مجھے لکھا کہ وہ ملتان میں ''یومِ حسینؓ'' کے سلسلہ میں ایک جلسہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ میں اس جلسہ میں حضرت امامؓ پر نظم پڑھوں اور مولانا محمد جعفر شاہ اور کوثر نیازی تقریر کریں۔ حسان الحیدری نے ان مقررین کو ملتان لانے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈال دی۔ میں نے کوثر نیازی صاحب سے ذکر کیا، تو کہنے لگے میں تو تیار ہوں البتہ مولانا پھلواروی کو آپ آمادہ کریں۔ مولانا سے بات کی تو وہ بھی مان گئے چنانچہ اتوار کی ایک دوپہر ہم تینوں ریلوے سٹیشن پر اکٹھے ہوئے اور خیبر میل میں بیٹھ کر ملتان پہنچے۔

رات کو ٹاؤن ہال میں مخدوم سجاد حسین قریشی کی صدارت میں جلسہ تھا۔ اس جلسہ میں سب سے زیادہ ہنگامہ خیز تقریر مولانا پھلواروی کی تھی۔ مخدوم صاحب کی وجہ سے کئی سجادہ نشین حضرات بھی جلسہ گاہ میں موجود تھے۔ مولانا کو نہ جانے کیا سوجھی کہ تقریر کے دوران سجادہ نشین حضرات کی ایسی چٹکی لی کہ ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ مولانا خود پیر طریقت تھے لیکن انقلابی خیالات رکھتے تھے۔

جلسہ ختم ہوا تو سجادہ نشین حضرات خاموشی کے ساتھ تشریف لے گئے لیکن سینکڑوں لوگ مولانا کے گرد جمع ہوگئے اور تحسین آمیز انداز میں کہنے لگے کہ آپ نے بہترین فریضہ ادا کیا ہے۔ اس وقت لوگوں کا یہ حال تھا کہ مولانا سے مصافحہ کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔

مولانا کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' علماء کی تنقید کا کچھ زیادہ ہی نشانہ بنی وہ صوفی گھرانے کے فرد تھے۔ قوالی پر علمائے ظاہر کے اعتراضات کے باعث انہیں یہ کتاب لکھنا پڑی۔ قوالی سننے کے لئے جو شرائط صوفیائے کرام نے عائد کی ہیں وہ سب مولانا نے اس

کتاب میں درج کی ہیں۔ آج کل موسیقی نے جو شکل اختیار کر لی ہے، اس سے مولانا کی جائز کردہ موسیقی کا دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں قوالی کے معترضین کو جواب دیتے ہوئے مولانا نے بڑی محنت سے فرمایا:

> ''ذرا خالق حقیقی کی اس حسین کائنات پر نظر ڈالئے۔ اس نے اس حسین و جمیل کائنات میں کیسی کیسی روحانی مادی لذتیں پیدا کی ہیں۔ یہ جگمگاتے ستارے، یہ حسین پرندے، یہ رنگا رنگ پھول، یہ کہسار و آبشار کیا یہ آنکھوں کو بھلے نہیں لگتے؟ کیا خوشبو کی موجیں ناک کی راہ میں داخل ہو کر دماغ کو معطر نہیں کرتیں؟ کیا خوش ذائقہ پھل اور لذیر کھانے زبان کو فرحت نہیں بخشتے؟ کای نرم اور چکنی چیزیں چھونے سے ہاتھوں کو لطف نہیں آتا؟ پھر جب آنکھ، ناک، زبان اور ہاتھ کے لئے اللہ نے جائز لذتیں پیدا کی ہیں، تو کیا کان ہی ایسے بدقسمت واقع ہوئے ہیں کہ جن کو ہر قسم کی روحانی لذت سے محروم رکھا گیا ہے؟ کیا کانوں کی راہ سے لف اندوز ہونے کے لئے کوئی جائز لذت نہیں پیدا کی گئی؟ اگر ہر حصے کے لئے قدرت نے کچھ جائز لذتیں پیدا کی ہیں تو یہ مان لینا چاہیے کہ کانوں کے لئے بھی جائز لذت موجود ہے۔''

مولانا کی اس گفتگو سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کی موسیقی کو جائز سمجھتے تھے اور ہاں مولانا صرف موسیقی کے حامی نہ تھے بلکہ خود بھی بہت عمدہ گا لیتے تھے۔ خاص طور پر مثنوی پڑھنے میں تو ان کا جواب نہ تھا۔ ایک دفعہ مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب کے ہاں مسجد چوک دالگراں میں مولانا محمد بخش مسلم مرحوم اور مولانا پھلواروی دونوں جمع ہو گئے۔ بے تکلف احباب کا مجمع تھا۔ مفتی نعیمی صاحب نے فرمایا ''آج قران السعدین ہے، مولانا مسلم اور مولانا پھلواروی دونوں موجود ہیں کیا اچھا ہو کہ دونوں حضرات گا کر مثنوی سنائیں۔ میزبان کی اس فرمائش کی تعمیل میں پہلے مولانا پھلواروی نے حضرت علامہ اقبال کے چند شعر گا کر

سنائے، جب پہلا شعر پڑھا:

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

تو سننے والوں کے دل گویا ان کی مٹھی میں تھے۔ چند شعر پڑھ کر مولانا رُکے، تو سامعین پر وجد طاری تھا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اب حضرت مولانا مسلم کی باری تھی۔ ترنم میں وہ کسی سے کم نہ تھے لیکن سچی بات ہے، اس دِن مولانا پھلواروی کے سامنے وہ بالکل نہ جم سکے۔ انہوں نے بہت زیادہ زور لگایا مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ مفتی نعیمی صاحب نے مولانا جعفر شاہ صاحب کو مخاطب کر کے کہا ''مولانا مثنوی پڑھنے میں آپ کو تخصص حاصل ہے۔''

مثنوی پڑھنے کے سلسلے میں اپنا ایک دلچسپ واقعہ خود مولانا نے مجھے سنایا کہ ایک دفعہ میں ڈھاکہ ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے گیا۔ کانفرنس کے اختتام پر بعض لوگوں نے اصرار کیا کہ میں مثنوی کے چند اشعار بھی سناؤں۔ میں نے چند اشعار گا کر سنائے تو حاضرین میں سے ایک بوڑھے شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج میں نے زندگی میں دوسری مرتبہ مثنوی شریف ''صحیح لحن'' کے ساتھ سنی ہے۔ اس پر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ بڑے میاں آپ نے پہلے کن صاحب سے مثنوی سنی تھی؟ بڑے میاں بولے آج سے ساٹھ سال قبل ڈھاکہ میں بہار سے حضرت شاہ سلیمان تشریف لائے تھے۔ انہوں نے مثنوی کے چند اشعار سنائے تھے۔ یہ سن کر مولانا نے مائک پر آ کر بتایا:

''حضرات! وہ میرے والد بزرگوار تھے۔''

ایک روز اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے طلبہ نے محفل موسیقی کا اہتمام کیا۔ مولانا ازراہ کرم میرے کہنے پر اس محفل میں شریک ہوئے۔ طلبہ نے مثنوی کے اشعار سنانے کی فرمائش کی تو مولانا نے ہارمونیم طلب کیا پھر ہارمونیم پر گا کر مثنوی سنائی۔ سامعین میں موسیقی کے معروف ماہر استاد محمد فاروق صاحب بھی موجود تھے۔ مولانا سے مثنوی سن کر فرمانے لگے

مولانا کے بارے میں جتنا شناتھا، اس سے بڑھ کر پایا۔ میں مولانا سے مثنوی تو کئی بار سُن چکا تھا لیکن ہارمونیم پر مثنوی سننے کا یہ پہلا موقع ہے۔

میں مولانا سے اکثر دینی مسائل پر گفتگو کرتا رہتا تھا۔ ایک روز ان سے پوچھا بعض مولوی صاحبان فرماتے ہیں کہ ٹوتھ برش جائز نہیں ہے مسواک ہی استعمال کرنی چاہیے۔ فرمایا دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے بعض علما کرام حدیث اور سنت میں فرق کو نہیں سمجھتے پھر مثال دیتے ہوئے فرمایا حدیث شریف ہے کہ مسواک کیا کرو لیکن سنت یہ ہے کہ دانت صاف رکھے جائیں، یہ سنت مبارکہ اگر ٹوتھ برش سے پوری ہوتی ہے تو برش کرنا ناجائز کیوں؟

ایک عالمدین اور محقق ہونے کے باوجود مولانا نہایت خوش طبع اور باغ بہار انسان تھے۔ احباب کی محفل میں خوبصورت اشعار اور دلچسپ لطائف اس کثرت سے سناتے کہ انسان کے حافظے پر دنگ رہ جاتا لیکن 1961ء میں اپنی اہلیہ کی وفات کے بعد وہ بالکل بجھ کر رہ گئے تھے۔ قبرستان میانی صاحب کے قریب باغ گل بیگم میں احباب ان کی اہلیہ کی تدفین سے فارغ ہوئے، تو مولانا نے انہیں اجازت دیتے ہوئے کہا کہ میں سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن شعرا حضرات کو ابھی رخصت کی اجازت نہیں۔ یہ احباب میرے ساتھ غریب خانہ تک جائیں گے چنانچہ چند احباب جن میں کلیم عثمانی، ذکی کیفی، کوثر نیازی اور نظر امروہوی وغیرہ بھی شامل تھے۔ ان کے مکان پر پہنچے، یہاں مولانا نے سب سے ان کا کلام سنا۔ بعد میں سب کو چائے پلائی۔

دو چار روز کے بعد اس محفل شعر وسخن کی وجہ مجھے مولانا نے خود بتائی۔ فرمایا اہلیہ کی وفات پر میں اس قدر غم زدہ تھا کہ خود کو سنبھالنا مشکل تھا، چاہتا تھا کہ احباب کچھ دیر مزید میرے ساتھ رہیں لیکن ان ''حیلوں'' سے بھی مولانا کی طبیعت نہ بہل سکی۔ وہ روز بروز مضمحل اور کمزور ہوتے چلے گئے۔ ایک روز مجھے کہنے لگے کہ میری تمام شیروانیاں ڈھیلی ہوگئی ہیں۔ جسم انتہائی کمزور ہوگیا ہے۔

مولانا 1973ء تک لاہور میں رہے پھر ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) سے منسلک ہو گئے لیکن اسلام آباد میں ان کا قیام زیادہ دیر نہ رہا، وہ کراچی چلے گئے اور وفات 31 مارچ 1982ء تک وہیں رہے۔ وہیں قبرستان گلشن اقبال میں آسودہ خواب ہیں۔ مولانا جب بھی یاد آتے ہیں، بے شمار یادیں تازہ ہو جاتی ہیں لیکن یہ سوچ کر کہ مولانا اب دنیا میں نہیں رہے جی اداس ہو جاتا ہے۔